آصف جاوید☆

[دوسری قسط]

مولانا محمد شفیق مدنی حفظہ اللہ

سوال آپ نے جامعہ میں تقریباً ۱۵ سال تک نظامت کے فرائض سرانجام دیئے ہیں آپ کو نظامت کی ذمہ داری کس طرح دی گئی، کیا آپ اس کی خواہش رکھتے تھے؟

مولانا میں جب جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے فارغ ہوکر وطن واپس آیا تو تین چار ماہ تک مدیر الجامعہ حافظ عبدالرحمٰن مدنی صاحب کے کہنے پر اسلامک ریسرچ کونسل ماڈل ٹاؤن میں ایک اصول فقہ کی کتاب کا ترجمہ کرتا رہا۔ اس کے علاوہ میں جامعہ میں فصول اکبری اور سنن ابن ماجہ کے دو اسباق بھی پڑھایا کرتا تھا۔ مدیر تعلیم حافظ حسن مدنی اور مدیر انتظامی امور حافظ حسین ازہر نے اسی سال مجھ سے ابن ماجہ پڑھی تھی۔ اس وقت ناظم الجامعہ مولانا خالد سیف شہید ہوا کرتے تھے اور ہمارے ایک ساتھی مولانا ارشد علی سندھی دفتر میں ان کے معاون اور نائب تھے۔ خوش قسمتی سے ان کا ریاض میں داخلہ ہوگیا تھا، لیکن ابھی تک وہ سعودی عرب کے لئے روانہ نہیں ہوئے تھے۔

ایک رات جامعہ سے ماڈل ٹاؤن واپس آتے ہوئے راستے میں مدنی صاحب نے مجھ سے اس ذمہ داری کے بارہ میں مشورہ کیا میں نے تین چار حضرات کے بارہ میں اپنی رائے ظاہر کردی، لیکن اپنا نام نہ لیا، کیونکہ میرے ذہن میں یہ خیال تک نہ تھا بلکہ میرا مقصد درس و تدریس ہی تھا۔ انہی دنوں تمام اساتذہ کرام کی ایک میٹنگ بلوائی گئی جس میں یہ بات زیر بحث آئی کہ اب یہ ذمہ داری کون سنبھالے گا؟ مولانا ارشد علی سندھی نے اچانک میرا نام پیش کردیا۔ حافظ عبدالستار صاحب نے اختلاف کرتے ہوئے کہا کہ ان کا میدان درس و تدریس ہے لہٰذا انہیں انتظامی ذمہ داری نہ سونپی جائے، لیکن مدنی صاحب نے ارشد صاحب کی تائید فرمائی اور کہا کہ میرے خیال میں تدریس کے ساتھ انتظام سنبھالنے میں کوئی حرج نہیں ہے، یوں میں خالد سیفؒ کا نائب مقرر کردیا گیا۔ مجھے ان کے ساتھ تقریباً چھ ماہ تک کام کرنے کا موقع ملا ہے۔ بعد میں ان کے مدنی صاحب کے ساتھ تحریک مجاہدین اسلام (یہ جامعہ کی تنظیم تھی) کے معاملات میں کچھ اختلافات پیدا ہوگئے جس کی وجہ سے وہ اپنی ذمہ داری سے علیحدہ ہوگئے۔ یہ بدھ کا دن تھا اور بزم ادب منعقد ہورہی تھی کہ بزم ادب میں مدنی صاحب تشریف لائے۔ انہوں نے طلبہ سے اپنے خطاب میں باقاعدہ میری نظامت کا اعلان کردیا۔ خالدؒ صاحب اسکے بعد دو ماہ تک تدریس کرتے رہے پھر انہوں نے قینچی امرسدھو میں تحریک مجاہدین اسلام کا دفتر بنا لیا تھا۔ لہٰذا وہ تدریس چھوڑ گئے۔ جب رمضان کا مہینہ آیا تو وہ افغانستان چلے گئے اور روسی جارحیت کا مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوگئے۔ إنا لله وإنا إليه راجعون.

☆ متعلم ثالثة كلية القرآن، جامعہ لاہور الاسلامیہ

رشد دور نظامت میں آپ کی کون کون سی ذمہ داریاں رہیں؟

مولانا جامعہ میں میری تقرری بطور مدرس ہوئی تھی اور میں نے تدریس کا آغاز ثانوی کلاسوں سے کیا تھا۔ دن میں کل سات اسباق ہوتے تھے جن میں سے میں چار سبق پڑھایا کرتا تھا اس کے علاوہ جامعہ کی جمیع ذمہ داریاں میرے سر پر تھیں یہی وجہ تھی کہ مجھے جامعہ میں دن رات کام کرنا پڑتا۔ جن میں تمام اسباق کی حاضری، تین وقت کے کھانے کی نگرانی، کلاسوں کی نگرانی، ٹائم ٹیبل کی سیٹنگ امتحانات کا انعقاد، نماز کا اہتمام، پرچہ جات کی تقسیم، نتائج کی تیاری، تعمیر و مرمت کا کام، صفائی کی نگرانی، داخلہ و خارجہ کی ذمہ داری، طلبہ کی چھٹیوں کا مسئلہ، طلبہ کی رہائش کا انتظام، بزم ادب، عصری علوم اور مطالعہ کی نگرانی میرے ذمہ تھی، اگرچہ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد عصری علوم اور مطالعہ کی نگرانی مولانا طاہر محمود صاحب کو دے دی گئی تھی جو اس وقت میرے معاون ہوا کرتے تھے۔ میں طلبہ کو سلا کے سوتا اور ان کے سوتے میں ہی اٹھ جایا کرتا تھا۔ طلبہ کہتے تھے کہ استاد جی ہم آپ کو جاگتا چھوڑ کر سوتے ہیں اور جب بیدار ہوتے ہیں تو آپ جاگ رہے ہوتے ہیں آخر آپ سوتے کس وقت ہیں۔ اگرچہ یہ کام بظاہر ایک شخص کے لئے ناممکن محسوس ہوتے ہیں میں خود بھی جب اس وقت کا تصور کرتا ہوں تو سوچتا ہوں اتنے زیادہ کام میں کیسے کر لیتا تھا جب کہ اب میرے لیے اتنی محنت کرنا ناممکن ہے، لیکن اس وقت اللہ کی کوئی خاص مدد تھی کہ مجھے کوئی زیادہ بھی تھکاوٹ محسوس نہ ہوتی تھی۔ ان دنوں صحت بھی اچھی تھی، کام کا کافی دباؤ تھا، لیکن محنت سے جی نہیں اکتاتا تھا، کیونکہ مجھے اپنے کام اور مشن سے کافی شغف تھا۔ اعزا و اقارب کے پاس آنا جانا بہت کم تھا یہی وجہ تھی کہ وہ کہا کرتے تھے کہ تم مدرسے کے ہی ہو کر رہ گئے ہو۔ اسکے علاوہ جامعہ سے تعاون کرنے والوں کو رسید وصولی دینا اور تعمیر و مرمت پر جتنا بھی خرچ اٹھتا تھا اس کی اپنے ہاتھوں ادائیگی کرنا میرے ذمہ تھا۔ اس تمام کام کے حساب و کتاب کے لئے میں جمعرات کو چھٹی کے بعد ایک دو گھنٹوں کے لئے بیٹھ جایا کرتا تھا۔ اس دور کا ایک امتیاز یہ بھی تھا کہ طلبہ میں مسابقات بڑی کثرت سے منعقد ہوتے تھے۔ تقریری مقابلے، مناظرے، مذاکرے، اس کے علاوہ نحو، صرف، اصول فقہ اور فقہ، پر کبھی تو پورے جامعہ کے طلبہ کے درمیان اور کبھی دو کلاسوں کے مابین مقابلے ہوتے تھے۔ اس سارے کام کو درست طریقے سے ادا کرنے کے لئے بعض اوقات میں اساتذہ سے تعاون لے لیتا تھا، اسی طرح طلبہ کو بھی ذمہ داریاں دے رکھی تھیں جن سے ان کی کارکردگی کے بارے میں ہر روز عشاء کے بعد دفتر میں ان سے رپورٹ لیتا تھا۔

رشد آپ طلبہ سے کس رویہ کی توقع رکھتے ہیں کیا کبھی طلبہ کو مارنے کا مرحلہ بھی پیش آیا ہے؟

مولانا میری رائے میں ایک طالب علم کو محنتی، نمازی، نظافت پسند، حاضری کا پابند، ساتھیوں سے حسن سلوک سے پیش آنے والا اور اساتذہ کرام کا احترام کرنے والا ہونا چاہیے۔ مجھے ایک استاد ہونے کے ناطے طالب علم کا یہ رویہ اچھا نہیں لگتا کہ وہ گستاخ، متکبر، چاپلوس ہو اور اپنے ساتھیوں کی چیزیں بلا اجازت اٹھا کر ادھر ادھر کرنے والا جھگڑالو اور شر پسند ہو۔ خاص طور پر گستاخی کرنے والا اساتذہ اور انتظامیہ کی نظر میں گر جاتا ہے۔ میرا نظامت کا عرصہ کافی لمبا تھا اس کے باوجود الحمدللہ، اتنے طویل عرصہ میں طلبہ کے ایسے رویے کی مثالیں بہت کم ہیں اور وہ بھی طلبہ نے بعد میں دفتر آ کر مجھ سے معذرت کر لی تھی۔ کسی ادارے میں نظم کو سنبھالنا دراصل طلبہ سے دن

رات کی لڑائی مول لینے کے مترادف ہے، لیکن میں ہمیشہ طلبہ سے ان کی نفسیات کے مطابق معاملہ کرنے کی کوشش کرتا تھا اور طلبہ کی ضروریات، حالات ومسائل سامنے رکھ کر اصول وضوابط بناتا تھا، پھر خلاف ورزی پر اس دور میں مار کافی پڑتی تھی اور طلبہ برداشت بھی کر جاتے تھے۔ قاری محمد ابراہیم میر محمدی صاحب بھی میرے ساتھ ہوتے تھے۔ ہماری کوشش ہوتی تھی کہ کسی کو ناجائز مار نہ پڑ جائے ہم کسی بھی معاملہ کی کافی تحقیق کیا کرتے تھے اور کوئی کارروائی کرنے سے پہلے طلبا کو پورا پورا موقع بھی دیا کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ طالب علم مار کھانے کے بعد یہی محسوس کرتا تھا کہ یہ اس کو جرم کی سزا ہی ملی ہے اس پر کسی قسم کا ظلم نہیں ہوا۔ ہم زیادہ تر چوری یا اخلاقی جرائم اور پارٹی بنا کر لڑنے والوں پر سختی کرتے تھے تاکہ دیگر طلبہ کے لئے عبرت بن جائے اور جامعہ کا ماحول پرامن اور پاک رہے۔ وگرنہ دیگر کوتاہیوں (غیر حاضری، نمازوں میں سستی اور اسباق وغیرہ) میں معمول کی تادیبی کاروائی چلتی رہتی تھی۔

رشد ایک منتظم میں کن اوصاف کا پایا جانا ضروری ہے؟

مولانا ایک منتظم کو پڑھا لکھا، معاملہ فہم، صاحب الرائے، انتھک، متحرک اور فعال ہونا چاہئے، کیونکہ کام ان اَوصاف کے بغیر سستی سے نہیں چل سکتے۔ حوصلہ منداور متحمل مزاج ہونا بھی منتظم کے لئے ایک ضروری شرط ہے یعنی وہ کسی دوسرے کی بات، اعتراض، شکایت اور اختلاف رائے کو سن کر جذباتی ہونے کے بجائے برداشت اور تحمل کا مظاہرہ کرنے والا ہو۔ ورنہ نہ تو وہ خود اپنی اصلاح کر سکے گا اور نہ ہی اِصلاح اَحوال ہو سکے گی۔ ایک منتظم کو مشاورتی ذہن کا مالک ہونا چاہئے اور وہ ادارے کی پالیسی میں مشورہ طلب کرنے والا اور مشورے کو اہمیت دینے والا ہو خاص کر بڑوں سے مشورہ لینے اور چھوٹوں سے تنفیذ کروانے کا وصف اس کی کامیابی کے لئے معاون ثابت ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ جسمانی وجاہت بھی رکھتا ہو تو اس کے بڑے مثبت اثرات ہوتے ہیں تاکہ جب دفتر میں بیٹھا ہوا ہو تو معلوم ہو کہ منتظم بیٹھا ہوا ہے اور لوگ اس کو بچہ نہ سمجھیں۔

ایک دینی ادارے کے منتظم کو دین کا مکمل عالم ہونا چاہیے یا کم از کم دین سے کچھ نہ کچھ وابستہ ضرور ہو، کیونکہ ایک دین دار شخص ہی دینی تعلیمی ادارے کے مزاج کو بہتر سمجھ سکتا ہے۔ ویسے بھی دینی اداروں میں غیر عالم منتظم کو عموماً قبول نہیں کیا جاتا، اگر منتظم مدرس بھی ہو خواہ وہ ایک آدھ پیریڈ ہی پڑھاتا ہو، تو طلبہ نظام میں اس کے معاون بنیں گے کیونکہ دینی اداروں میں استاد اور شاگرد کے رشتے کو باہمی عزت اور احترام کا رشتہ خیال کیا جاتا ہے اور نظم کی بہتری میں یہ احترام بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اسی طرح کامیاب منتظم کے لئے ضروری ہے کہ وہ خود پسندی اور خوشامدیوں کے نرغے میں محصور رہنے کی بجائے ادارے کے حالات سے باخبر رہے عدل وانصاف اور زمینی حقائق کو مدنظر رکھ کر فیصلے کرے، اپنے ماتحت عملے کا محاسبہ کرتا رہے، لیکن ان کی عزت نفس مجروح نہ کرے۔ ورنہ وہ مشکل وقت اور مشن کے ساتھی بننے کے بجائے خودغرض اور مفاد پرست بن جائیں گے۔ منتظم اگر ان سے اپنی بات منوانا، احترام اور اطاعت کروانا چاہتا ہو تو ان پر افسر بننے کے بجائے اپنے آپ کو خادم کی حیثیت سے پیش کرے، خود عملی نمونہ بنے، اپنے آپ کو محاسبے کے لئے تیار رکھے اور خود کو بنائے گئے ضابطوں سے بالاتر نہ سمجھے۔

رشد آپ کے خیال میں کسی تعلیمی ادارے کی کامیابی کا انحصار کس چیز پر ہے؟

مولانا کسی تعلیمی ادارے کی کامیابی کے کئی اسباب ہوسکتے ہیں مثلاً مختصر اور جامع نصاب اور اچھا نظام تعلیم بھی اہم چیزیں ہیں جو ادارے کی کامیابی میں ضرور معاون بنتی ہیں، لیکن ان میں بنیادی اہمیت استاد کی ہے۔ اگر استاد قابل، محنتی، مخلص اور باصلاحیت ہوں تو کوئی بھی تعلیمی ادارہ کامیاب ہوسکتا ہے۔ ہمارے سامنے کئی ایسی مثالیں موجود ہیں کہ جب بھی کوئی باصلاحیت آدمی ویرانے میں جا بیٹھا تو طلباء اس کے اردگرد جمع ہوگئے اور وہاں ایک ادارہ بن گیا، کیونکہ نظم میں اگر کسی جگہ کوئی کمزوری یا جھول موجود ہو تو بھی اساتذہ کرام اس کو دور کرسکتے ہیں۔ اخلاص اور محنت کے ساتھ اگر ہر استاد طلباء کی تعلیم وتربیت کی طرف توجہ دے تو میرے خیال میں طلبہ شوق کے ساتھ تعلیم حاصل کریں گے، لیکن اگر استاد طلبہ میں اپنی محنت، علم اور انداز تدریس سے کوئی مقام پیدا نہیں کرتا تو طلبہ اس کے سبق کو غیر مفید سمجھ کر اس سبق سے بھاگیں گے۔ اور اس کی کتاب کا مطالعہ بھی نہیں کریں گے۔ طلبا اگر کتاب کو ہاتھ تک نہ لگائیں گے تو اچھے نصاب تعلیم اور نظام کا کیا فائدہ؟ لہٰذا میری رائے میں اصل اور مرکزی کردار استاد کا ہے۔ اساتذہ کی ضروریات، مسائل کا خیال رکھنا اور انہیں اعتماد میں لینا انتظامیہ کے لئے انتہائی ضروری ہے، کیونکہ انتظامیہ اور اساتذہ کا آپس میں کھچاؤ، عدم اعتماد اور عدم اتفاق تعلیمی ادارے کی کامیابی میں بہت بڑی رکاوٹ ہے جو طلباء کی تربیت پر بھی کوئی اچھے اثرات نہیں چھوڑتی۔

رشد ہماری جامعہ کی موجودہ انتظامی اور تعمیراتی سرگرمیوں کو آپ کس نگاہ سے دیکھتے ہیں، اس اچانک تبدیلی کی وجہ کیا ہے؟

مولانا جامعہ میں اس وقت آپ جو تعمیراتی یا ترقیاتی کام دیکھ رہے ہیں۔ یہ انتظامیہ کی اجتماعی سوچ کا نتیجہ ہیں۔ کیونکہ اس پر وقتاً فوقتاً بات جاری رہتی تھی میں خود بھی اس طرف توجہ دلاتا تھا اور انتظامیہ کو بھی احساس تھا کہ ہماری جامعہ کی عمارت بھی اچھی اور صاف ستھری ہونی چاہیے جیسے دیگر بڑی جامعات (جامعہ ابی بکر کراچی، جامعہ سلفیہ فیصل آباد، جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ اور جامعہ اثریہ جہلم) کی ہیں۔

وسائل کی عدم دستیابی یا کم دستیابی بھی ایک مسئلہ تھا اگرچہ تب بھی یہ کام ناممکن نہیں تھا، لیکن اب اللہ تعالیٰ نے بعض وسائل کی فراہمی سے اس کام کو آسان بنا دیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کا کریڈٹ حافظ حسن مدنی صاحب کو جاتا ہے، کیونکہ وہ اپنے مزاج میں ایک نفیس آدمی ہیں اور تعمیر وزیبائش سے انہیں کافی دلچسپی ہے اس کام کے اصل محرک وہی ہیں اور اس میں انہوں نے خوب محنت بھی کی ہے۔ اس کے لئے وسائل مہیا کرنے کے ساتھ نگرانی بھی کررہے ہیں۔ ان کا ایک اپنا معیار ہے جہاں وہ جامعہ کو پہنچانا چاہتے ہیں ان کا مزاج میرے ساتھ کافی ملتا ہے انہوں نے تعمیر ومرمت اور معیاری رنگ وروغن کروا کر جامعہ کے بارے میں میری دیرینہ خواہش کو پورا کردیا ہے جزاہ اللہ خیرا۔ اور اب جلد ہی انشاء اللہ نظام تعلیم کی اصطلاح کی طرف توجہ دی جائے گی۔

رشد آپ ایک عرصہ تک جامعہ سے لاتعلق رہے، اس کی کیا وجہ تھی؟

مولانا نہیں، نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے میں جامعہ سے کبھی بھی لاتعلق نہیں رہا۔ حتیٰ کہ جس وقت میں نے ادارۃ المساجد میں مستقل طور پر کام کرنا شروع کردیا تھا ان دنوں میں بھی جامعہ میں صبح نو بجے تک دو سبق پڑھایا کرتا تھا۔

رشد آپ ادارۃ المساجد میں کیوں اور کس کے توسط سے گئے تھے؟

مولانا الحمدللہ اتنے طویل عرصے کے باوجود میرے اور مدیر الجامعہ مدنی صاحب کے درمیان اعتماد کی فضا قائم رہی البتہ معاملات میں اختلاف رائے اور کسی وقت مشکل پیدا ہوجانا ایک فطری عمل ہے۔ایک عظیم مقصد کے حصول کے لئے ایسی باتوں کو نظر انداز کردینا ہی دانائی ہے علاوہ ازیں میرے کچھ ذاتی مسائل بھی تھے اس کے باوجود ادارۃ المساجد میں جانے کا میرا کوئی پروگرام نہیں تھا اور نہ ہی میں نے اس کے لئے باقاعدہ کسی شخص کو کہا تھا، میرے ایک ساتھی تھے قاری عبدالحلیم صاحب وہ جامعہ رحمانیہ لاہور اور جامعہ اسلامیہ مدینہ میں میرے ہم جماعت رہے تھے۔ایک دفعہ انہوں نے مجھے فون کیا اور کہا کہ ادارۃ المساجد میں آپ کی تقرری نہ کرادیں؟ میں نے کہا کہ میرے لئے ایک ہی دفعہ دونوں طرف کام کرنا مشکل ہوجائے گا۔کیونکہ ان دنوں نظامت کی ذمہ داری میں کافی سارے امور مجھے ہی نبٹانا پڑتے ہیں، بس اتنی سی بات ہوئی تھی کہ انہوں نے فون بند کردیا۔اس کے بعد رمضان المبارک قریب آ گیا میرے بعض احباب عمرہ ادا کرنے کے لئے سعودی عرب تشریف لے گئے جب وہ واپس آئے تو کہنے لگے کہ آپ کو مبارک ہو میں نے کہا کس بات پر؟ کہنے لگے کہ آپ پاکستان میں ادارۃ المساجد کے مدیر بن گئے ہیں۔بس یہ سارا قصہ ہے میرے وہاں جانے کا۔لیکن جیسا کہ میں نے کہا کہ میں نے اس کی کوئی خواہش ظاہر نہیں کی تھی بلکہ میں نے تو یہی کہا تھا کہ یہ کام میرے لئے کافی مشکل نظر آتا ہے اس کے بعد میں تو بھول گیا تھا کہ اس طرح کی کوئی بات بھی ہوئی ہے کہ نہیں، کیونکہ ایسی ذمہ داری کی طرف میرا ذہن ہی نہیں تھا بس یہ قاری عبدالحلیم صاحب کی کاوش تھی جو میرے ادارۃ المساجد میں جانے کا سبب بن گئی۔ اس وقت ادارۃ المساجد کا لاہور میں ایک ہی دفتر ہوتا تھا۔میں دو بجے تک جامعہ میں خدمات سرانجام دیتا اور اس کے بعد لاہور میں ادارۃ المساجد کے دفتر میں چلا جاتا اگرچہ وہاں کوئی مستقل کام نہیں تھا، لیکن بہرحال دو تین گھنٹے جانا پڑتا تھا۔جامعہ میں اگر کوئی میٹنگ ہوتی یا کوئی اور کام ہوتا تو میں دفتر میں جانے سے ناغہ کرلیتا تھا ورنہ میں باقاعدگی سے ایک عرصہ تک ادارۃ المساجد میں اپنا کام کرتا رہا۔

رُشد آپ کی کل کتنی اولاد ہے اور ان کی مشغولیت کیا ہے؟

مولانا میرے کل چھ بچے ہیں۔۴ بیٹے اور دو بیٹیاں۔میرے سبھی بچے تعلیم حاصل کررہے ہیں۔بڑی بیٹی نے مڈل تک سکول پڑھا اور وہ الحمدللہ درس نظامی کی فاضلہ بھی ہے۔اس سے چھوٹی بیٹی میٹرک پاس ہے۔میرا ارادہ ہے کہ اس کو فہم دین کا کوئی شارٹ کورس کراؤں۔بیٹوں میں سے بڑا بیٹا انس ہے جس نے سکول کی سات کلاسیں پڑھ کر قرآن پاک حفظ کیا اور اب وہ منزل دہرا رہا ہے۔اس سے چھوٹا حمزہ ہے جو ساتویں جماعت کا طالب علم ہے۔سب سے چھوٹا بیٹا چوتھی کلاس میں پڑھ رہا ہے ان کے نام فیصل اور اسامہ ہیں۔

رُشد کیا علمی اعتبار سے کوئی بیٹا آپ کا صحیح جانشین بن سکتا ہے؟

مولانا اوں..... کوئی ناامیدی تو نہیں ہے البتہ میرا بڑا بیٹا پڑھائی پر توجہ بہت کم دیتا ہے اس میں زیادہ دلچسپی نہیں لیتا، اگرچہ وہ ذہنی اور حافظہ کے لحاظ سے کچھ کمزور بھی ہے۔لیکن انتظامی معاملات میں کافی تیز ہے اور بھاگ دوڑ کر شوق سے کام کرتا ہے۔وہ اپنی کوئی دکان بنانے کی خواہش رکھتا ہے، لیکن میں کہتا ہوں کہ ابھی کچھ پڑھ لے ورنہ سب کچھ ضائع ہوجائے گا اس اعتبار سے علمی طور پر وہ میرا جانشین بنتا نظر نہیں آتا۔البتہ باقی تینوں کے

بارہ میں امید ہے اور میں پوری کوشش کروں گا کہ وہ دینی اور دنیوی دونوں قسم کے علوم حاصل کریں باقی نتیجہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔تین بڑے بیٹوں کی نسبت میری دونوں بیٹیاں اور چھوٹا بیٹا اسامہ البتہ زیادہ ذہین ہیں۔

رشد آپ انہیں کیا بنانا پسند فرمائیں گے؟

مولانا میری کوشش ہے کہ وہ دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ مکمل عالم دین بھی بنیں اور درس وتدریس اور دعوت وتبلیغ کے ساتھ منسلک رہیں۔

رشد شادی کے لئے کون سی عمر مناسب ہے اور خاندان سے باہر شادی کرنے کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

مولانا شادی کیلئے ۲۰ سے پچیس سال کی عمر درمیانی عمر ایک مناسب وقت ہے اگر اپنی برادری یا خاندان میں کوئی دین دار رشتہ مل جائے تو یہ زیادہ بہتر ہے۔کیونکہ عام طور پر دیکھنے اور سننے میں آتا ہے کہ غیر رشتہ داروں میں شادی کرنے سے باقی افراد خانہ کا آنا جانا کم بلکہ ختم ہی ہوجاتا ہے، کیونکہ انہیں اجنبی خاندان کی لڑکی سے وہ انس اور احترام نہیں ملتا جو وہ چاہتے ہیں اور لڑکی والے بھی صرف لڑکے کو مل کر چلے جاتے ہیں حتیٰ کہ لڑکے کے والدین تک ان سے لاتعلق رہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ان کے ساتھ ہمارے لڑکے کا تعلق ہے ہمارا تھوڑی ہے۔ ہمارے ہاں والدین کی اکثر خواہش یہی ہوتی ہے کہ ان کے بیٹے کی شادی ان کے خاندان ہی میں ہو تاکہ وہ بھی نئی رشتہ داری سے متعلق رہیں۔ بہرحال اصل ترجیح دین کو دی جانی چاہئے اور اگر رشتہ داروں میں ایسا کوئی مناسب رشتہ نہ ہو تو غیر رشتہ داروں میں نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

رشد اپنے اساتذہ کرام، دوستانِ مکتب اور شاگردان کا کچھ ذکر فرمائیں؟

مولانا درج ذیل اسماء گرامی میرے ان اساتذہ کے ہیں جن سے میں نے کسی نہ کسی شکل میں علمی حظ اٹھایا۔شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ مدنی صاحب لاہور (وراثت)، ڈاکٹر عبدالرشید اظہر اسلام آباد (شرح ابن عقیل)، حافظ عبداللہ بھٹوی حجرہ شاہ مقیم (نحو، صرف حدیث)، مولانا صادق خلیل فیصل آباد (تفسیر)، قاری نعیم الحق مرحوم گوجرانوالہ (حدیث و فقہ)، مولانا عبدالرحمٰن عظیمی مرحوم کہروڑ پکا (حدیث)، مولانا فارق اصغر صارم مرحوم گوجرانوالہ (حدیث و وراثت)، مولانا عتیق اللہ صاحب (حدیث وبلاغہ)، مولانا عبدالحئ انصاری (اَدب و انشاء)، مولانا سعد اللہ صاحب لاہور (اصول فقہ ونحو)، مولانا عبداللہ سلیم، پروفیسر عبدالرحمٰن راجووال، مولانا محمد اسحاق صاحب (چونیاں)، مولانا عبدالغفار حسن (مظفرگڑھ) قاری عبدالقیوم صاحب لاہور (نحو) اور مولانا خلیق الرحمٰن صاحب مرحوم لکھوی (نحو وفقہ)

جہاں تک میرے ہم جماعت ساتھیوں کا تعلق ہے تو الحمدللہ ان کی اکثریت، جہاں تک مجھے یاد ہے دینی امور اور سرگرمیوں ہی میں مشغول ہے۔ میرے دوستوں میں عبدالقوی صاحب کیلانی دبئی میں دعوت وتبلیغ کا کام کررہے ہیں۔ قاری عبدالحلیم صاحب ریاض میں تحقیق وتصنیف سے وابستہ ہیں۔ مولانا عبدالصمد رفیقی صاحب منڈی واربرٹن میں تدریس کررہے ہیں۔ پروفیسر عاکف سعید کیلانی گوجرانوالہ کالج میں لیکچرار ہیں۔باقی ساتھیوں میں سے اکثر مختلف سکولوں میں عربی ٹیچر یا مساجد میں خطیب ہیں۔

میرے شاگردوں کا الحمدللہ ایک وسیع حلقہ ہے جن کی تعداد سینکڑوں میں ہے۔ مجھے جس علاقے میں بھی جانے کا اتفاق ہوتا ہے وہاں کوئی نہ کوئی شاگرد ضرور مل جاتا ہے۔ یہ ہماری جامعہ کا فیض عام ہے اور انتظامیہ کے لئے صدقہ جاریہ! پہلے شاید مجھے اس کا احساس نہ تھا البتہ جن دنوں میں ادارۃ المساجد سے وابستہ تھا تو ملک کے مختلف علاقوں میں دورہ کرنا پڑتا تھا تو ہر جگہ تقریباً کسی مسجد یا مدرسہ میں کوئی نہ کوئی شاگرد سے ملاقات ہو جاتی تھی جس کو کام کرتا دیکھ کر انتہائی خوشی ہوتی تھی۔ ایک دفعہ ہم آزاد کشمیر کے شہر باغ میں جا رہے تھے کہ ہمارا ڈرائیور ارشد کہنے لگا کہ ہم جس علاقے میں جاتے ہیں وہاں آپ کا کوئی نہ کوئی شاگرد ضرور موجود ہوتا ہے دیکھیں آج باغ شہر میں کیا ہوتا ہے اور میں سوچ رہا تھا کہ آج تو مشکل نظر آ رہی ہے۔ پروگرام کے مطابق ہم نے وہاں ایک کارنر میٹنگ کی اور فارغ ہوئے تو ایک لڑکا خاموش بیٹھا ہوا تھا اور میں اس کو پہچان رہا تھا، شکل دیکھی دیکھی معلوم ہوتی تھی، لیکن میں تردد کا شکار تھا کہ یہ لڑکا کون ہو سکتا ہے؟ بالآخر وہ اٹھ کر میرے پاس آ گیا اس نے مجھے سلام کیا اور کہا کہ آپ نے مجھے پہچانا ہے؟ میں نے کہا! میں پہچان رہا تھا، لیکن تردد میں تھا وہ کہنے لگا میں آپ کا شاگرد ہوں جامعہ رحمانیہ میں آپ سے پڑھتا رہا ہوں اور اب اس مدرسہ میں تدریس کر رہا ہوں۔ جب ڈرائیور نے ہماری باتیں سنیں تو پنجابی میں کہنے لگا (اینیں دور آ کے وی نئیں چھڈ یا جے، اینوں وی تسیں بنا لیا جے اپنا شاگرد!) اس لڑکے کا نام فاروق تھا آج کل پنڈی میں ہے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ شاگردوں کی کافی تعداد ہے جو ملک کے مختلف علاقوں میں پھیلے ہوئے ہیں، لیکن اتنی بڑی تعداد میں جو لوگ کسی نہ کسی طرح درس و تدریس، تصنیف و تالیف یا دعوت و تبلیغ سے وابستہ اور نمایاں ہیں میں صرف ان کا نام ذکر کرتا ہوں۔

۱۔ قاری صہیب احمد، مدیر کلیۃ القرآن مرکز البدر بونگہ بلوچاں ۲۔ حافظ حسن مدنی، مدیر التعلیم جامعہ لاہور الاسلامیہ و مدیر ماہنامہ 'محدث' ۳۔ حافظ حمزہ مدنی، مدیر مجلس التحقیق الاسلامی و کلیۃ القرآن جامعہ لاہور الاسلامیہ ۴۔ حافظ حسین ازہر، مدیر انتظامی جامعہ لاہور الإسلامیہ ۵۔ حافظ انس مدنی، مدیر کلیۃ الشریعۃ جامعہ لاہور الإسلامیہ و مدیر ماہنامہ 'رشد' ۶۔ کامران طاہر، نائب مدیر و سینئر ریسرچ سکالر مجلس التحقیق الإسلامی و ماہنامہ 'رشد' ۷۔ زاہد رفیق، مدیر التعلیم جامعہ کمالیہ راجووال ۸۔ محمد اسلم صدیق، لیکچرار انجینئرنگ یونیورسٹی فیصل آباد و رکن مجلس التحقیق الإسلامی لاہور ۹۔ حبیب الرحمٰن ہزاروی، مدیر جامعہ اہل حدیث ہری پور ہزارہ ۱۰۔ قاری سعید انور، پرنسپل فرقان اکیڈمی فیصل آباد ۱۱۔ خالد محمود بھٹی، مدیر مدرسہ التعلیم چک نمبر ۱۶ چونیاں ۱۲۔ عبدالرشید تونسوی، مدرس جامعہ ابن تیمیہ لاہور ۱۳۔ قاری زاہد، مدرس جامعہ دارالعلوم محمدیہ لوکو ورکشاپ لاہور ۱۴۔ قاری اختر، مدرس جامعہ دارالعلوم محمدیہ لوکو ورکشاپ لاہور ۱۵۔ قاری محمود، مدرس جامعہ خالد بن ولید معہد القرآن کراچی ۱۶۔ قاسم مکی، مدرس جامعہ ابی بکر کراچی ۱۷۔ عامر مختار لکھوی، ناظم و مدرس جامعہ ابن تیمیہ لاہور ۱۸۔ حافظ عبدالماجد سلفی، مدیر جامعہ للبنات ٹاؤن شپ لاہور ۱۹۔ قاری نعمان مختار لکھوی، مدیر جامعہ فاطمۃ الزہرا ٹاؤن شپ لاہور ۲۰۔ شاکر محمود، مدرس جامعہ لاہور الاسلامیہ ۲۱۔ قاری فیاض، مدیر مدرسہ الازہر لاہور ۲۲۔ قاری شفیق الرحمٰن، مدرس جامعہ لاہور الإسلامیہ ۲۳۔ قاری خالد فاروق، مدرس جامعہ لاہور الإسلامیہ ۲۴۔ قاری شعیب عارفی، مدرس جامعہ سلفیہ فیصل آباد ۲۵۔ قاری زبیر احمد مدرس جامعہ سلفیہ فیصل آباد ۲۶۔ قاری ریاض احمد، مدرس جامعہ سلفیہ فیصل آباد ۲۷۔ قاری علی القاری، مدیر الاحیاء فاؤنڈیشن و ماہنامہ الاحیاء

۲۸۔جواد حیدر، ریسرچ سکالر مجلس التحقیق الاسلامی ونائب مدیر ماہنامہ الاحیاء ۲۹۔خالد محمود ابوتراب ،سیکرٹری حافظ عبدالکریم آف ڈیرہ غازیخان ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیت اہل حدیث ۳۰۔طاہر الاسلام عسکری ،ریسرچ سکالر قرآن اکیڈی لاہور ۳۱۔حافظ زبیر تیمی ،سینئر ریسرچ سکالر قرآن اکیڈمی ومعاون ماہنامہ الاحیاء ۳۲۔ارشد کمال، مصنف کتب کثیرہ ۳۳۔محمد اختر صدیق ،مدرس ابن مسعود اسلامک سنٹر ومصنف کتب کثیرہ ۳۴۔قاری مصطفیٰ راسخ ،ریسرچ سکالر مجلس التحقیق الاسلامی لاہور ۳۵۔قاری اختر علی راشد، رکن مجلس التحقیق الاسلامی لاہور ۳۶۔محمد اصغر، ناظم مکتبہ رحمانیہ ورکن مجلس التحقیق الاسلامی لاہور ۳۷۔سمیع الرحمٰن ، رکن مجلس التحقیق الاسلامی لاہور ۳۸۔عبدالرشید صادق، رکن مجلس التحقیق الاسلامی لاہور ۳۹۔آصف ہارون، رکن مجلس التحقیق الاسلامی لاہور ۴۰۔فاروق احمد حسینوی ، رکن مجلس التحقیق الاسلامی لاہور ۴۱۔عمران اسلم ، رکن مجلس التحقیق الاسلامی لاہور ۴۲۔حافظ عبداللہ ، رکن مجلس التحقیق الاسلامی لاہور ۴۳۔نعیم الرحمٰن ناصف ، رکن مجلس التحقیق الاسلامی لاہور ۴۴۔عدیل الرحمٰن ،لیکچرار گورنمنٹ کالج سیالکوٹ ۴۵۔ عبدالرزاق ساجد ، پرنسپل الدعوۃ ماڈل سکول کھڈیاں قصور ۴۶۔عبدالرحمٰن عابد ،لیکچرار ماڈرن کالج لاہور ۴۷۔عبد الرزاق زاہد، نائب پرنسپل جامعہ امام بخاری سیالکوٹ ۴۸۔مبشر ورک ، مدرس مصعب سکول سسٹم لاہور ۴۹۔سعید احمد، مدرس بیکن ہاؤس سکول سسٹم لاہور ۵۰۔رمضان میلسی ،مسئول دعوۃ واصلاح جماعۃ الدعوہ لاہور ۵۱۔مرزا عمران حیدر، خطیب پاکستان ایئر فورس۔۵۲۔محمد شفیق کوکب ،لیکچرار ماڈرن کالج لاہور۔

رشد کیا آپ کو روابط و ملنساری پسند ہے اور ساتھیوں کے ساتھ آپ کے تعلقات کیسے ہیں؟

مولانا ہاں! مجھے تعلقات بہت پسند ہیں۔تعلقات دوستوں سے ہوں اساتذہ سے ہوں یا طالب علموں سے یہ مجھے اچھے لگتے ہیں۔خوش اخلاقی سے پیش آنا اور اچھے انداز میں گفتگو کرنا مجھے ذاتی طور پر بھی پسند ہے اور شریعت میں بھی یہ پسندیدہ وصف ہے۔خاص کر احباب کرام کی مہمان نوازی کر کے میں خوش ہوتا ہوں اب تو میں گھر پر ہوتا ہوں، لیکن جب میری رہائش جامعہ میں تھی تو میرے پاس دوست اکثر آتے جاتے رہتے تھے وہ جب بھی لاہور آتے تو ان کی کوشش ہوتی کہ وہ مجھ کو مل کر جائیں اور میں بھی ان کو خوب پروٹوکول دیتا تھا تاکہ ان کو یہ احساس نہ ہو کہ اب ناظم بن گیا ہے اور بدل گیا ہے۔مدنی صاحب مجھے کہا کرتے تھے کہ ''محض کھانے پینے کی وجہ سے آپ کے پاس مہمان بہت زیادہ آتے ہیں، وہ جو کہتے ہیں ناں کہ خوش خوراک اور خوش لباس آپ اس محاورے کے مصداق ہیں۔'' بس میرا شروع ہی سے یہ مزاج تھا۔مدنی صاحب کے پاس جب مہمان تشریف لاتے تو وہ بھی بعض اَوقات انہیں میرے پاس بھیج دیتے تھے اور انہیں کوئی فکر نہ ہوتی تھی اور نہ ہی کبھی یہ اعتراض ہوا کہ مہمانی میں کمی رہ گئی ہے بلکہ وہ مجھے کہا کرتے تھے کہ آپ مہمانی میں تکلف زیادہ کرتے ہیں اس کو کچھ کم کر دیں۔

رشد آپ کو کونسا کھانا، کونسا گوشت، کونسا کھیل اور کونسا مشغلہ پسند ہے؟

مولانا (مسکراتے ہوئے) کھانے سارے ہی اللہ کی نعمت ہیں۔عام طور پر تقریباً ہر کھانا کھا لیتا ہوں ماسوائے چند کھانوں کے، لیکن ترجیحاً بکرے کا گوشت زیادہ پسند کرتا ہوں۔اگر دیسی مرغ یا پرندوں کا گوشت کسی وقت میسر ہو جائے تو یہ میری مرغوب غذائیں ہیں۔پھلوں میں سے سب سے زیادہ پسندیدہ پھل آم، انگور، سیب اور کیلا

بالترتیب میرے پسندیدہ پھل ہیں۔ جہاں تک کھیلوں کی بات ہے تو زمانہ طالب علمی میں مجھے فٹ بال اور والی بال پسند تھا اور ہم کھیلا بھی کرتے تھے، لیکن فراغت کے بعد سے اب تک شاید میں نے کوئی کھیل بھی نہیں کھیلا ہو۔ اس کے علاوہ آپ نے مشغلے کے بارہ میں پوچھا ہے۔ یہاں مدرسے میں رہ کر کون سا مشغلہ اپنایا جاسکتا ہے بس پڑھنا پڑھانا ہی ہمارا مشغلہ ہے اور یہ آپ کے سامنے ہی ہے۔ البتہ کسی وقت سیر وتفریح کے لئے نکل جانا مجھے پسند ہے یہ بات مناسب نہیں ہے کہ آدمی ہر وقت کتابی کیڑا ہی بنا رہے۔ جب میں ناظم تھا اس وقت بھی میں سیر کے لئے وقت نکال ہی لیتا تھا حالانکہ ان دنوں میں بہت مصروف ہوتا تھا۔ خاص کر جمعرات کے دن شہر میں سودا سلف کی خریداری کرتا تھا اور کبھی لاہور شہر کی کسی سیر گاہ کی طرف اور کبھی کبھار لاہور شہر سے باہر بھی کسی معروف سیر گاہ کی طرف چلا جاتا تھا اس سے آدمی ذہنی طور پر تازہ دم ہوجاتا ہے، کیونکہ جمعرات کے صرف ایک دن کی سیر پورے ہفتے کی تھکاوٹ کو دور کردیتی ہے۔

رشد آپ کی کوئی ایسی خواہش جو تشنہ کام رہی ہو یا جو آپ کے مستقبل قریب کے پروگرام میں شامل ہو؟

مولانا میری دیرینہ خواہش تصنیف وتالیف کی ہے میں چاہتا ہوں کہ فقہ واصول فقہ پر آسان فہم کوئی کتاب لکھی جائے، عام طور پر اس موضوع کی کتابوں کا انداز قدیم ہے عبارتیں بھی کافی دقیق اور پیچیدہ ہوتی ہیں جس سے طلبہ کو مشکل پیش آتی ہے ان میں سے اکثر خاص مسلک کی ترجمان بھی ہوتی ہیں اور بازار میں جو کتابیں نئی آئی ہیں وہ اگرچہ قدرے آسان ہیں، لیکن ان کو سلفی منہج پر ترتیب نہیں دیا گیا۔ اور کچھ نہ سہی تو الوجیز پر ہی کام ہوجائے تو بہتر ہے۔ میں نے اس پر کام کرنا شروع بھی کیا تھا، لیکن وہ درمیان میں بعض وجوہ کی بنا پر رک گیا ہے۔ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس کو پایہ تکمیل تک پہنچائے۔ علاوہ ازیں فقہی مسائل پر ہمارے ہاں کتابیں تو دستیاب ہیں لیکن وہ بھی بہت طویل بعض مشکل اور اکثر خاص مذاہب کی ترجمان ہیں۔ میرا خیال ہے کہ فقہ القرآن والسنہ کے نام پر کوئی کتاب آسان انداز میں لکھی جائے۔ جس میں تمام مسائل کا احاطہ کیا جائے، فقہاء کے اقوال اور دلائل مختصر اور صرف صحیح بیان کیے جائیں اور کچھ جدید فقہی مسائل کا اضافہ بھی کردیا جائے جو خاص کر طلباء کے لئے زیادہ مفید ہو اور کسی خاص مسلک کی نمائندہ ہونے کی بجائے سلف کے منہج کی ترجمان ہو۔ اس سارے کام کے لئے لائبریری کا مسئلہ بھی ہے اور یکسوئی کی ضرورت بھی۔ میرے لئے رات کو لائبریری میں قیام کرنا مشکل ہے اور نہ ہی اس قدر کتابیں اٹھا کر گھر میں لائی جاسکتی ہیں۔ یہاں اسلامک ریسرچ کونسل میں بھی کام بدل بدل کر آتے رہتے ہیں اور کوئی بھی کام مستقل جاری نہیں رہتا۔ ہاں! البتہ اگر روزانہ پابندی سے کام کیا جائے کوئی اور دوسرا کام نہ ہو تو اتنے وقت میں بھی کافی کام نبٹایا جاسکتا ہے۔ میری تیسری خواہش ایک مدرسہ کا قیام تھا جس میں جدید تقاضوں کے مطابق مختصر کورس کا انتظام ہو وہ کام الحمدللہ شروع ہوچکا ہے اللہ کرے کہ جو منصوبہ میرے ذہن میں ہے وہ بھی پایہ تکمیل تک پہنچ جائے۔

رشد اپنی زندگی کا کوئی ایسا خوشگوار واقعہ سنائیں جو اب ت کا باعث بنتا ہو؟

مولانا ینبع سعودی عرب کا ایک معروف شہر ہے جو ساحل سمندر پر واقع ہے جب میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں پڑھتا تھا تو ہر سال ششماہی امتحان کے بعد وہاں تربیتی وتفریحی کیمپ لگایا جاتا اور جامعہ کی طرف سے طلبا کو

وہاں پہنچایا جاتا۔ جامعہ کے بعض اساتذہ اور جامعہ کا عملہ بھی ہمراہ ہوتا تھا وہ عارضی خیموں میں پورا ایک ہفتہ قیام کرتے۔ ہر خیمے میں چھ چھ لڑکے رہتے تھے جنہیں ایک بڑی پرات جو چاول اور گوشت سے بھری ہوتی تھی، کھانے کو دی جاتی تھی، ہمارے خیمے میں صرف تین لڑکے وہائش پذیر تھے، اس کے باوجود ہم تینوں کو بھی ایک پرات دی جاتی تھی۔ اس دوران میں ہم نے سیمنٹ کی ایک فیکٹری دیکھی جو بڑی تیزی سے سیمنٹ کی بوریاں تیار کر رہی تھی، ایک اور منصوبہ دیکھا جس کا نام تحلیل الماء تھا جہاں مشینوں کے ذریعے سمندر کا کھاری پانی صاف کر کے سعودیہ کے بڑے بڑے شہروں میں پہنچایا جاتا تھا۔ ہم نے سمندر میں کشتی رانی بھی کی اور دوپہر کے وقت سمندر میں نہائے بھی۔ جامعہ کے اساتذہ بھی طلبہ کے ساتھ نہاتے رہے۔ وہاں کے اساتذہ نہایت بے تکلف ہیں۔ مغرب کی نماز کے بعد ایک پروگرام شروع ہوتا جس میں پہلے ایک استاد خطاب کرتا اور طلبہ کے سوالات کے جوابات دیتا تھا۔ نماز عشاء کے بعد طلبہ انتہائی دلچسپ اور مزاحیہ پروگرام کرتے تھے۔ شرکت کیلئے طلبہ کو دعوت عام تھی۔ لہٰذا طالب علم اپنے اپنے ذوق کے مطابق اس میں شامل ہوتے تھے۔ ایک پاکستانی لڑکا جس کا نام محمد ادریس تھا، اس نے بھی اپنا نام لکھوا دیا۔ یہ ماموں کانجن سے تعلق رکھتا تھا اور شعبہ لغۃ میں دوسرے سال کا طالب علم تھا۔ ادریس پڑھائی میں تو اتنا اچھا نہ تھا، لیکن عربی بول چال میں کافی تیز تھا۔ ہمیں اس کے نام لکھوانے کا علم نہ تھا۔ جب اچانک وہ مائیک پکڑ کر کھڑا ہو گیا تو ہم حیران تھے کہ یہ کیا کرے گا اس نے اپنی جیب پر ایک چٹ لگا رکھی تھی جس پر لکھا تھا: "انا الذی کنتم فی انتظارہ" یعنی انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں۔'' بعد میں اس نے بلیوں، کتوں، گدھوں، گھوڑوں اور مرغوں کی آوازیں سنائی۔ وہ جانوروں کی آوازیں نکالنے میں بڑا ماہر تھا۔ تمام حاضرین لوٹ پوٹ ہو رہے تھے اس نے گویا سارا مجمع لوٹ لیا۔ اساتذہ کی فرمائش پر اس کو دوبارہ اداکاری کی دعوت دی گئی۔ جب پروگرام ختم ہوا تو ہم نے دیکھا کہ بھاری بھرکم انعام کے ڈبے اٹھا رکھے تھے۔ قاری محمد یوسف اسے مذاق سے کہنے لگے کہ دیکھو کتوں بلیوں کی آوازیں نکال کر انعام بٹورتا ہے۔

رشد کوئی ایسا ناخوشگوار واقعہ جواب بھی یاد ہو؟

مولانا یہ اس وقت کی بات ہے جب ہم مدینہ یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھے اور پہلی سالانہ چھٹیاں گزار کر سعودی عرب واپس جا رہے تھے ان دنوں بائی ایئر لاہور سے کراچی اور کراچی سے سعودیہ جانا پڑتا تھا کوئی پرواز لاہور سے سیدھی سعودیہ نہیں جاتی تھی۔ لاہور سے شام ۵ بجے ہماری کراچی کی فلائٹ تھی۔ وہاں پہنچ کر رات ہم ایک ہوٹل میں ٹھہرے۔ انہوں نے ہمیں رات دو بجے ہی جگا دیا حالانکہ پرواز کا وقت صبح ۸ بجے کا تھا۔ دو گھنٹے تک قانونی کارروائی کرنے کے بعد ہمیں جہاز میں بٹھا دیا گیا ہم جہاز میں بیٹھ گئے تو اعلان ہوا کہ فنی خرابی کے باعث جہاز ایک گھنٹہ دیر سے پرواز کرے گا لہٰذا تمام مسافر پریشان نہ ہوں۔ اس دوران میں ہمیں چائے پلائی گئی۔ ابھی کچھ ہی دیر گزری تھی کہ دوبارہ اعلان ہوا کہ جہاز میں مزید خرابی ہے لہٰذا مزید ایک گھنٹہ لیٹ ہے۔ اعلان کے بعد ہمیں کھانا کھلایا گیا۔ کھانے کے بعد ہم جہاز ہی میں بیٹھے تھے کہ تیسری دفعہ اعلان ہوا کہ جہاز فنی خرابی کی وجہ سے آج پرواز نہیں کرے گا لہٰذا تمام مسافر نیچے اتر جائیں ہم دوبارہ ہوٹل میں چلے گئے اور فلائٹ ایک دن

کے لئے موخر کردی گئی۔ یہ بدھ کا دن تھا بالآخر جمعرات کو صبح ۸ بجے ہمارا جہاز سعودیہ کے لئے روانہ ہوا یہ چار پانچ گھنٹوں کا سفر تھا ہم بارہ بجے تقریباً جدہ ایئر پورٹ پر اتر گئے۔ جمعرات کو سعودیہ میں چھٹی ہوتی ہے اور لوگ آمدورفت کے لئے ہوائی ذریعہ استعمال کرتے ہیں اس لئے رش بہت زیادہ ہوتا ہے۔ اب ہمیں جدہ سے مدینہ جانا تھا لیکن تمام سیٹیں مکمل ہوچکی تھیں۔ لہٰذا ہم مدینہ کے لئے روانہ نہ ہوسکے۔ ہم ظہر سے قبل یہاں آئے تھے۔ ظہر سے عشاء تک ہمیں کسی بھی جہاز میں سیٹ نہ مل سکی۔ حالانکہ یہاں سے وقفے وقفے سے کافی پروازیں مدینہ جارہی تھیں۔ ہم کل دو ساتھی تھے میں اور قاری عبدالحلیم۔ قاری صاحب بیمار تھے۔ لہٰذا ساری بھاگ دوڑ مجھے کرنا پڑ رہی تھی۔ اللہ اللہ کر کے رات کے دس بجے ہمیں سیٹیں مل گئیں ہم قطار میں کھڑے تھے کہ پولیس کے ایک آدمی نے ہمیں آواز دی اور اقامہ دکھانے کا مطالبہ کیا، جب ہم مدینہ سے آئے تھے تو اقامہ جامعہ والوں نے رکھ لیا تھا اور پاسپورٹ ہمیں دے دیا تھا، کیونکہ دونوں چیزیں اکٹھی نہیں رکھ سکتے تھے۔ ہم نے اس کو سمجھانے کی کوشش کی کہ ہمارے پاس پاسپورٹ ہیں پروف کے طور پر آپ وہ دیکھ سکتے ہیں۔ لیکن وہ مان ہی نہیں رہا تھا۔ ہم نے کہا کہ قانونی طور پر ہم اقامہ کو لے جانے کے مجاز نہیں ہیں تو آپ کو کیسے دکھا سکتے ہیں۔ وہ عجیب بیوقوف سپاہی تھا۔ لاکھ کوشش کے باوجود اقامہ دیکھنے پر مصر تھا۔ ہم نے کہا کہ پھر اس کی ایک ہی صورت ہے کہ آپ ہمیں مدینہ جانے دیں۔ ہم تمہیں وہاں سے اقامہ لا دیتے ہیں، لیکن وہ 'میں نہ مانوں' کی پالیسی پر کاربند تھا۔ بالآخر جب جہاز پرواز کے لئے بالکل تیار ہوگیا تو اس نے ہاتھ ہلا کر ہمیں سوار ہونے کا اشارہ کیا، جب ہم جہاز کی طرف بڑھے تو وہ ہمارے پہنچنے سے قبل ہی پرواز کرگیا اور ہم واپس ہوگئے۔ ہم دوبارہ اس کے پاس آئے جس سے ہم نے سیٹ بک کروائی تھی۔ اب اس نے ہمیں مدیر کے پاس بھیج دیا۔ مدیر نے پوچھا تم لیٹ کیوں ہوئے۔ ہم نے کہا کہ اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں تمہارے آدمی نے ہمیں ناجائز روکے رکھا تھا۔ ہماری بات شاید اس کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ اس نے کہا کہ اب تمہیں نیا ٹکٹ خریدنا پڑے گا حالانکہ ہمارے پاس ٹکٹ موجود تھے صرف بکنگ کا مسئلہ تھا۔ اس وقت ہمارا جو حال تھا اس کو ہم ہی جانتے ہیں، ہم افسردگی کے عالم میں وہاں بیٹھ گئے۔ کافی دیر کے بعد جب اس نے محسوس کیا کہ ہمیں اپنے ناکردہ جرم کی سزا مل چکی ہے تو اس نے ہمیں کہا جاؤ اور سیٹیں بک کروالو۔ ہمیں رات دو بجے کے بعد فلائٹ ملی اور ہم جمعہ کی صبح کو مدینہ پہنچ گئے۔

رشد جمہوریت اور اسلام دو مختلف نظام ہائے سیاست ہیں یا ان میں کوئی قدر مشترک بھی پائی جاتی ہے آپ ایک عالم دین ہونے کے ناطے سے جمہوریت کو کس نگاہ سے دیکھتے ہیں؟

مولانا موجودہ جمہوری تصور دراصل یورپ کا نظام حکومت ہے جس کو ہم کسی طور پر بھی اسلامی نظام یا اس کے مترادف کوئی دوسرا نام نہیں دے سکتے، لیکن ہماری بعض دینی جماعتیں موجودہ جمہوریت کی قائل ہیں بعض اس کو عین اسلام اور بعض اسلامی جمہوریت کا نام دیتی ہیں۔ دراصل یہ غلط فہمی ہے کہ انہوں نے اسلام کے شورائی نظام کو جمہوری سمجھ لیا ہے یا شاید انہوں نے جمہوری نظام اور اسلامی نظام میں یہ قدر مشترک خیال کر لی ہے کہ یہ دونوں نظام افراد معاشرہ کو مساوات اور آزادی دیتے ہیں لیکن موجودہ جمہوری نظام کو اس قدر مشترک کے گمان

پر بھی اسلامی جمہوریت نہیں کہا جاسکتا کیونکہ جمہوریت میں انسانی مساوات کا نعرہ صرف ووٹ کی حد تک ہے کہ تمام لوگوں کو ووٹ ڈالنے کا یکساں حق ہے، خواہ کوئی آدمی اچھا ہو یا برا۔ لیکن اپنی مرضی سے نمائندہ منتخب نہیں کر سکتے، کیونکہ نمائندے تو پارٹیوں کے سربراہ نامزد کرتے ہیں۔ عوام تو ان میں سے کسی ایک کو ووٹ دینے پر مجبور ہوتے ہیں اور نہ ہی وہ کسی حکومت کو گرا سکتے ہیں اور نہ ہی حکومتیں عوام کی مرضی سے جاتی ہیں بلکہ انہیں وڈیرے ہی رخصت کرتے ہیں اور دوسری طرف جب حقوق دینے کی باری آتی ہے تو چھوٹے اور بڑے میں تفریق کی جاتی ہے بڑا سب کچھ لے جاتا ہے، لیکن غریب کو کچھ نہیں ملتا۔ ایک غریب آدمی چیختا چلاتا رہ جاتا ہے لیکن سرکاری اداروں میں کہیں اس کی شنوائی نہیں ہوتی، کیونکہ اپنا حق حاصل کرنے کے لئے اپنی آواز کو مؤثر بنانے کی ضرورت ہے جو کسی تنظیم یا طاقت کے بغیر ناممکن ہے اور جہاں تک آزادی کا تعلق ہے تو یہ صرف اسلام کے خلاف بولنے اور گند گھولنے کی آزادی ہے یا کچھ حکومت کے خلاف بولنے کی آزادی، لیکن اسلام کے غلبہ کے لیے کوششوں کی کوئی آزادی نہیں۔ آدمی معیشت میں سودی نظام کا، سیاست میں مغربی نظام کا پابند ہوتا ہے۔ میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ اسلامی تصور ایک شورائی نظام کا نام ہے جو چند اہل علم و دانش افراد پر مشتمل ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر حضرت عمرؓ کی مجلس شوریٰ کا ذکر کیا جاسکتا ہے، لیکن اس مجلس شوریٰ کو جمہوری پارلیمنٹ یا اسمبلی کے ساتھ قطعاً تشبیہ نہیں دی جاسکتی۔ کیونکہ اسلامی نظام شورائیت میں اور مغربی نظامِ جمہوریت میں بہت زیادہ فرق ہے۔ نظام جمہوریت میں گدھا گھوڑا برابر ہوتے ہیں جب کہ اسلام دینداری اور اہلیت کو اہمیت دیتا ہے۔

رشد ہمارے ہاں اب علمائے کرام بھی جمہوریت کے تحت الیکشن لڑ رہے ہیں کیا اس کا جواز ہے اور کیا اس کے ذریعے سے کوئی مثبت تبدیلی آسکتی ہے؟

مولانا میں نے ذکر کیا ہے کہ نظام کی حد تک مروجہ جمہوریت کو اسلامی خلافت و امارت اور شورائی نظام کا مترادف نہیں کہا جاسکتا اور نہ ہی موجودہ طریقۂ انتخاب کے ذریعے سے ملک میں مکمل اسلام کا نفاذ ممکن ہے کیونکہ لوگوں کی اکثریت مسلمان ہونے کے باوجود اور نماز روزہ جیسی عبادت بجا لانے کے باوجود اسلام کے نفاذ کو پسند نہیں کرتی۔ وہ سمجھتے ہیں کہ شاید نفاذ اسلام کی صورت میں ان کی خواہشات پر زد پڑے گی اور وہ بے شمار پابندیوں میں جکڑے جائیں گے، لیکن اسلامی نظام کے بارے میں عوام کی غلط فہمیوں کو دور کرنا اور مثبت سوچ کو فروغ دینا علمائے کرام کی ذمہ داری ہے۔ جمہوریت کی قباحتوں کے باوجود میری رائے یہ کہ اسلام کے نظام خلافت کے لیے لوگوں کی ذہن سازی کی ضرورت ہے جس کے لیے ایک عرصہ دراز تک جہد مسلسل کی ضرورت ہے جو نہیں ہو رہی بلکہ ہمارے ہاں دینی تنظیمیں اور ادارے بھی خلافت کا صرف نام ہی لیتے ہیں عملی کوئی کوشش نہیں کرتے بلکہ ان کا اپنا نظام انتخاب بھی یا تو جمہوری ہے یا ان کے ہاں آمریت چلتی ہے اس لیے موجودہ جمہوری نظام جو ہم پر مسلط کر دیا گیا ہے اس سے الگ تھلگ رہنا بھی کوئی مناسب رویہ نہیں ہے، جبکہ اچھے لوگوں کی شمولیت سے اس نظام میں تبدیلی اور بہتری کا امکان موجود ہے، کیونکہ لادین لوگوں کا اسمبلیوں میں جمع ہو جانا اسلام کے لیے نیک شگون نہیں جیسا کہ سابقہ اسمبلی میں ہم دیکھ چکے ہیں اس لیے برائی کے زور کو کم کرنے کے لیے اور نیکی کی آواز کو بلند رکھنے کے لیے اس نظام میں اچھے لوگوں کو لانے کی کوشش کرنی

چاہیے۔اور علمائے کرام کو بھی انتخابات میں حصہ لینا چاہیے۔ یہ وقت کی اہم ضرورت ہے اور اَخف الضررین پر عمل کی ایک صورت ہے تاکہ لادین لوگوں کو من مانی سے باز رکھا جا سکے اور ان پر دباؤ ڈالا جا سکے، گویا یہ بھی تغییر باللسان ہی کی ایک صورت ہوگی اس نظام میں ہم حق کی آواز اٹھانے کا بہرحال قانونی حق رکھتے ہیں اور آزادی کے ساتھ ان پر اتمام حجت کر سکتے ہیں جب کہ آمریت یا ملوکیت میں یہ شے ممکن نہیں ہوتی بلکہ بسا اوقات تو وہاں لکھا ہوا خطبہ سنانا پڑتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کے اندر رہ کر اگر ہم اسلام کے لئے کچھ کر سکتے ہیں تو ضرور کرنا چاہئے کیونکہ یہ نظام ہم پر مسلط ہے اور جب تک اس کے متبادل کوئی دوسرا نظام پیش نہیں کیا جاتا اس سے جان نہیں چھڑائی جا سکتی، بلکہ دینی کام کیلئے مشکلات بڑھتی جائیں گی یعنی اس نظام میں داخلے کا مقصد اس کی تائید اور حمایت نہ ہو بلکہ دین کے لیے اپنی آواز کو مؤثر بنانا ہو تو اس میں حصہ لینے کی گنجائش ہے تاکہ بے دین افراد کیلئے میدان کو خالی نہ چھوڑا جائے۔

نظام خواہ ملک کا ہو یا کسی ادارے کا، اس میں اصل لوگ ہوتے ہیں نظام نہیں، کیونکہ نظام تو تدبیری امور کے مجموعے کا ایک نام ہے۔ اگر لوگ اچھے ہوں تو خراب نظام سے بھی اچھائی کا کوئی نہ کوئی پہلو نکال ہی لیتے ہیں۔ اس وقت تمام اسلامی ممالک میں سے سعودی عرب کی مثال دی جا سکتی ہے کہ وہاں نظام حکومت، خلافت نہیں بلکہ ملوکیت ہے، لیکن چونکہ وہ لوگ ذہنی طور پر دیندار ہیں، لہٰذا وہاں کا ماحول بھی دیندار ہے۔ اگرچہ وہاں بھی شریعت کا مکمل طور پر نفاذ نہیں ہے تاہم وہاں کے جرائم کی شرح، دنیا کے کسی بھی ملک سے کم ہے۔ یعنی وہاں خلافت نہیں ہے اس کے باوجود اچھائی موجود ہے۔ اسی طرح ضیاء الحق دور میں آمریت تھی اس کے باوجود دین دار حضرات کی کافی حد تک حوصلہ افزائی ہوتی تھی اور نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ کا سرکاری سطح پر کچھ اہتمام تھا۔ اس کے معاشرتی نتائج بھی بہت مثبت تھے، کیونکہ اس سے لادینیت کو ضرب کاری لگی تھی اور بے حیائی کو کافی دھچکا لگا تھا اور مغربی تہذیب ایک دفعہ دب گئی تھی اور برائی کم ہوگئی تھی حتی کہ لوگوں کا ذہن یہ بن گیا تھا کہ اب مولویوں کی حکومت ہے، لیکن اسی آمریت کو آپ اس دور میں دیکھ لیں کہ دین کی بات کرنا جرم ٹھہرا ہے۔ برائی سر اٹھا چکی ہے اور نیکی دب گئی ہے کہنے کو تو دونوں نظام حکومت، آمریت پر مبنی تھے لیکن ان کا فرق آپ خود ہی ملاحظہ کر لیں۔ میں مزید کہوں گا کہ جمہوریت جمہوریت میں بھی فرق ہوتا ہے اگر مروجہ نظام کے ذریعے نواز شریف صاحب برسر اقتدار آتے ہیں تو معاشرتی سطح پر دینی رجحان بڑھ جاتا ہے لیکن اگر پیپلز پارٹی کو حکومت مل جاتی ہے تو بے حیائی میں اضافہ ہوتا ہے اور میڈیا، بازار اور معاشرے پر اس کے منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ میرا ان مثالوں سے مقصد یہ ہے کہ کسی بھی جگہ پر اصل چیز لوگ ہوتے ہیں اصل چیز نظام نہیں ہوتا۔ اگر آپ لوگ موجودہ نظام میں ہی اچھے افراد کو منتخب کرتے ہیں اور اسمبلی میں ان کی اکثریت ہو جاتی ہے تو ملک میں تبدیلی کی راہ ہموار ہو سکتی ہے۔

رشد: متحدہ مجلس عمل کے قیام اور اس کی پانچ سالہ کارکردگی پر آپ کوئی تبصرہ کرنا پسند فرمائیں گے؟

مولانا: متحدہ مجلس عمل کا قیام ایک نیک شگون تھا کیونکہ اس وقت پرویز مشرف کی غلط پالیسیوں کی وجہ سے امریکہ کی عالم اسلام پر جارحیت نے ملکی سیاست کو ایک ایسے موڑ پر لا کھڑا کیا تھا کہ تمام مکاتب فکر کا ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا

ہونا حالات کا تقاضا بن گیا تھا، لیکن بدقسمتی سے یہ متحدہ مجلس عمل اعلیٰ مقاصد کی خاطر کسی یک نکاتی ایجنڈے پر متفق نہ ہوسکی۔ کیونکہ اس میں شامل ہر جماعت کے اپنے اپنے تحفظات اور اپنی اپنی ترجیحات تھیں جس کی وجہ سے بظاہر تو ان کا اتحاد نظر آتا تھا جو ایک اچھی کاوش تھی لیکن یہ اتحاد ابتداء ہی سے اندرونی اختلافات کا شکار رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ متحدہ کے پانچ سال اسمبلیوں میں بیٹھنے کے باوجود کوئی قابل ذکر کارکردگی دیکھنے میں نہیں آئی۔ حتیٰ کہ صوبہ سرحد میں اپنی حکومت ہونے کے باوجود حسبہ بل منظور نہ کرایا جاسکا۔ اگرچہ یہ بات بجا طور پر کہی جاسکتی ہے کہ اس راہ میں وفاقی حکومت رکاوٹ تھی تاہم متحدہ مجلس عمل نے وفاقی سطح پر بھی کوئی ایسی کوشش نہیں کی جو قابل داد ہو، لیکن اس کے وجود سے دو فائدے البتہ ضرور حاصل ہوئے ہیں ایک تو یہ کہ صوبہ سرحد میں حسبہ بل پاس نہ ہونے کے باوجود اجتماعی طور پر معاشرے میں ظاہری دین داری غالب رہی ہے۔ جس کی ایک مثال یہ ہے کہ بسوں میں فلم کا چلانا ہمارے ٹرانسپورٹ سسٹم کی ایک بڑی خرابی ہے۔ مگر صوبہ سرحد میں اس کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔ مجھے ایک دفعہ پشاور جانے کا اتفاق ہوا۔ واپسی پر جب میں بس میں بیٹھا تو بعض پنجابی مسافروں نے ڈرائیور سے فلم چلانے کا مطالبہ بار بار کیا لیکن وہ معذرت کرتا آیا کہ سرحد میں قانونی طور پر اس کی اجازت نہیں ہے لیکن جونہی پنجاب کی سرحد میں داخل ہوئے تو وہی ڈرائیور اور وہی کنڈیکٹر، اب انہوں نے فلم چلا دی، کیونکہ صوبہ پنجاب میں صورت حال اس کے بالکل برعکس ہے اگر آپ فلم کو بند کرانا چاہیں بھی تو نہیں کروا سکتے کیونکہ اگر ایک شخص ڈرائیور کو روکنے والا ہوتا ہے تو دس اس کو کہنے والے ہوتے ہیں۔ صوبہ سرحد میں ظاہری دین داری تھی، یہ ایک اچھی روش تھی۔ یہ تو ایک فائدہ ہے اور دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ علما نے مساجد، مدارس اور رفاہی ادارے بڑی آسانی کے ساتھ رجسٹرڈ کروائے ہیں اور علما کو کافی ملازمتیں بھی ملی ہیں خاص کر محکمہ تعلیم میں۔ علاوہ ازیں بعض حضرات کو ذاتی یا اجتماعی سطح پر کافی پذیرائی ملی ہے اور انہوں نے اس دوران میں اپنی تجوریاں دونوں ہاتھ کے ساتھ خوب اچھی طرح بھری ہیں لیکن میں اس میں کسی شخص کا یا کسی جماعت کا نام لینا پسند نہیں کروں گا۔

رشد عام انتخابات میں حصہ لینے یا لینے پر ایم ایم اے تقسیم ہوگئی ہے آپ کے خیال میں متحدہ مجلس عمل کو کس نقطہ پر متفق ہونا چاہیے تھا اور کیوں؟

مولانا عام انتخابات میں شمولیت یا عدم شمولیت کے حوالے سے اگرچہ آراء مختلف ہوگئی تھیں۔ لیکن اگر متحدہ مجلس عمل کسی متفقہ لائحہ عمل پر متفق ہوجاتی تو اس سے قوت اور وزن میں اضافہ ہوتا۔ خاص کر اس بارہ میں انہیں اپوزیشن کی دیگر جماعتوں کا رجحان دیکھ کر فیصلہ کرنا چاہئے تھے۔ اگر اپوزیشن کی دیگر جماعتیں بائیکاٹ کا اعلان کرتیں تو انہی بھی اعلان کردینا چاہئے تھا اگر وہ انتخاب میں شمولیت پر تیار تھیں تو انہیں بھی اتفاق سے انتخابات میں شامل ہوجانا چاہئے بلکہ اگر مسلم لیگ (ن) کے ساتھ انتخابی اتحاد ہوجاتا تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں تھا۔ یہ اجتماعی طاقت موجودہ حکومت سے چھٹکارا اور لادین عناصر کا راستہ روکنے کے لیے کافی مفید ثابت ہوسکتی تھی۔ آپ نے دیکھا نہیں ہے کہ سابقہ حکومت نے اپنے زور بازو اور کثرت رائے سے جو ان کا دل چاہا اسمبلی سے بل پاس کرایا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ دین دار افراد کی اکثریت وہاں موجود نہ تھی اور اگر متحدہ مجلس عمل متحد رہتی تو اس

کے لیے کامیابی کے زیادہ امکانات تھے، کیونکہ حکمران جماعت کو ان کی غلط پالیسیوں کی وجہ سے عوام مسترد کر چکے ہیں، لیکن اب تقسیم سے متحدہ کو نقصان ہوگا اور لادین عناصر اس سے فائدہ اٹھائیں گے اور مجلس عمل کے آدھے بائیکاٹ سے کسی کو کیا فرق پڑے گا بلکہ وہ لوگ تو پہلے ہی چاہتے ہیں کہ علما ان کی راہ میں حائل نہ ہوں اور علما کو روکنے کے لئے ہی بی۔اے کو لازمی شرط قرار دیا گیا ہے۔ جو انتخابات میں حصہ لینے کی بنیادی اہلیت ہے حالانکہ مشرف دور سے قبل یہ شرط قطعاً قانون کا حصہ نہ تھی۔

رشد آپ کے خیال میں معاشرے میں علما کے مؤثر نہ ہونے کی وجہ کیا ہے؟

مولانا میرے خیال میں یہ کہنا کہ علما معاشرے میں بالکل غیر مؤثر ہیں ناانصافی ہے کیونکہ آج دشمنان اسلام کی اسلام کے خلاف ہزاروں سازشوں کے باوجود ہمیں جو اسلام کی رونقیں نظر آتی ہیں ان تمام کا سہرا علماء کے سر ہے۔ البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ علماء کرام کو معاشرے میں جس طرح مؤثر ہونا چاہیے اس طرح نہیں ہیں یا معاشرے کے بعض فیلڈ علماء کی راہنمائی کے محتاج ہیں لیکن علماء ان میں اترنے کے لئے تیار نہیں اس کے بارے میں میری رائے یہ ہے کہ جدید معاشرے میں علماء کرام کے کم مؤثر ہونے کے کئی اسباب ہیں، پہلی بات تو یہ ہے کہ معاشرتی تقاضوں کے مطابق ہمارے مدارس میں علماء کم تیار ہوتے ہیں اور جب معاشرتی ضروریات کو پورا نہیں کیا جائے گا تو اس معاشرے میں بڑا کردار کیسے نظر آسکتا ہے۔ کچھ ہماری عملی کوتاہیاں بھی ہیں۔ ماضی میں معاشرے میں موثر کردار ادا کرنے والے علمائے کرام نے دین کی تبلیغ کے ساتھ ساتھ لوگوں کے لیے عملی نمونہ پیش کیا ہے لیکن ہمارے ہاں کے اکثر حضرات اخلاقیات سے عاری اور دنیا دار قسم کے نظر آتے ہیں اور اپنا مفاد ہی عزیز رکھتے ہیں، حلال وحرام کی تمیز مٹتی جارہی ہے اگر اصلاح کرنے والوں کا ہی طرزِ فکر وعمل ایک عام آدمی جیسا ہو جائے تو پھر مؤثر کردار ادا کرنے کی کیا امید رکھی جاسکتی ہے، کیونکہ قول وفعل کے تضاد سے لوگ متنفر ہو جاتے ہیں، علما کے گروہی، جماعتی اختلافات اور مسلکی تعصبات بھی علما اور معاشرے کے درمیان خلیج حائل کرنے کا باعث ہیں۔ اگرچہ غیر مسلموں کا پروپیگنڈہ اور میڈیا کی غلط کوریج سے بھی علما برادری پر کافی منفی اثر پڑا ہے اور مسٹر اور ملا کے فرق کو خوب اُچھالا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی عالم سے کوئی غلطی ہو جائے تو اس کی خوب تشہیر کی جاتی ہے علما کو بے عمل انتہاء پسند اور دہشت گرد بنا کر پیش کیا جاتا ہے جبکہ بے دین اور مسٹر لوگوں کو صحیح مسلمان اور اعتدال پسند بنا کر پیش کیا جاتا ہے لوگوں کا علما سے متنفر ہونا اور دور رہنا حقیقت میں دین سے دوری کا سبب بنتا ہے اس میں کچھ کردار نام نہاد علما کا بھی ہے جو معمولی مفاد کی خاطر عزت نفس اور وقار بیچ ڈالتے ہیں اور خود ہی اپنے مقام سے گر جاتے ہیں خاص طور پر جو طبقہ سندِ فراغت پانے کے بعد ہوم ٹیوشن شروع کر دیتے ہیں اس سے علماء کا امیج مزید خراب ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں علماء کرام میں دین کی خاطر قربانی دینے کا جذبہ بھی ماند پڑ گیا ہے اور یہ نہیں دیکھا جاتا کہ تبلیغ کی سب سے زیادہ ضرورت کس جگہ پر ہے جبکہ انبیاء کرام کا طریقہ دعوت یہ ہوتا تھا کہ جہاں ضرورت محسوس کرتے تھے وہیں پہنچ جاتے تھے اور اپنا فرض منصبی ادا کرتے تھے خواہ اس کے لئے انہیں کتنی ہی تکلیفیں برداشت کیوں نہ کرنا پڑیں، لیکن آج ہم علماء کرام دین کے لئے تکلیف برداشت کرنے یا کسی قسم کی قربانی دینے کے لئے تیار نہیں ہیں بلکہ دینی کام اپنا

آرام اور فائدہ دیکھ کر ترتیب دیتے ہیں۔

رشد امریکہ پاکستان کے شمالی علاقہ جات پر کاروائی کا ارادہ رکھتا ہے آپ کے خیال میں کیا یہ ممکن ہے؟

مولانا پاکستان کے حالات افغانستان اور عراق سے قطعاً مختلف ہیں۔ یہ ملک اللہ کے فضل وکرم سے ایٹمی صلاحیت کا مالک ہے اور جب تک ہمارے پاس ایٹمی قوت موجود ہے۔ امریکہ براہِ راست حملہ نہیں کرے گا۔ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو قبضے میں کرنا امریکہ کی پہلی ترجیح ہوگی، لیکن اس کے بعد بھی وہ تنہا اس خطے میں حملہ کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا، کیونکہ اب وہ عراق اور افغانستان میں نہایت بری طرح پھنسا ہوا ہے اور پاکستان پر حملہ آور ہونے کے لیے اسے بھارت جیسے دوست کا تعاون ضرور درکار ہے، لیکن یہ بھی آپ یاد رکھیں کہ پاکستان پر براہ راست حملہ یا از خود کاروائی امریکہ کا آخری حربہ ہوگی اور اس کی اولین ترجیح یہی ہوگی کہ پاکستان کے اندرونی سیاسی عدم استحکام سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ کام خود پاکستانی فوج ہی سے کرائے اس صورت میں انہیں ہمارے ساتھ بلاواسطہ جنگ لڑنے یا وسائل تباہ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ فی الحال اس کے تمام بیانات دھمکی اور دباؤ کی حد تک ہی ہیں۔

رشد لیکن اگر بالفرض پاکستان پر حملہ ہو جاتا ہے تو کیا ہم اپنا مضبوط دفاع کر سکتے ہیں۔ اس صورت حال میں ہماری دفاعی پالیسی کیا ہونی چاہیے؟

مولانا میں نے ذکر کیا کہ امریکہ پاکستان پر حملہ کرنے میں اس قدر جلدی بازی سے کام نہیں لے گا جیسا کہ عام طور پر خیال کیا جا رہا ہے، لیکن اگر پاکستان میں عدم استحکام کی موجودہ صورت حال بدستور برقرار رہتی ہے تو پھر اس کی سرگرمیاں خطرات سے خالی نہیں ہیں اور وہ اپنے مقاصد حاصل کرنے کی ہر ممکنہ کوشش کرے گا، لیکن تنہا نہیں بھارتی تعاون سے، اس کی شہ پر تو بھارت اپنی فوجیں ہماری سرحد پر لا جمع کرتا ہے۔ خدانخواستہ اگر بھارت اور امریکہ کا گٹھ جوڑ ہو جاتا ہے تو اس صورت میں پاکستان کے لیے بیک وقت دو دشمنوں سے مقابلہ کرنا انتہائی مشکل ہو جائے گا۔ تب ہمیں سب سے پہلے اللہ کی طرف رجوع کرنا ہوگا اور اسی سے مدد کی درخواست کرنا ہوگی۔ دفاع کے لیے سب سے اہم چیز میرے خیال میں محبِ وطن قیادت کا برسر اقتدار آنا ہے، کیونکہ موجودہ قیادت پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا اس کے علاوہ ہمیں اندرونی طور مستحکم ہونا چاہیے۔ جس کے لیے ضروری ہے کہ ملک میں جاری ہر وہ کاروائی بند کر دی جائے جس سے عوام اور فوج کے درمیان نفرت پیدا ہو رہی ہے۔ جب عوام اور فوج ایک دشمن کے مقابلے میں کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہوں گے تو ملکی دفاع آسان ہو جائے گا۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ پاکستان کو ہمسایہ ممالک، خاص طور پر اسلامی ممالک سے ساتھ دفاعی معاہدے مضبوط بنیادوں پر کرنے کی ضرورت ہے تاکہ کسی بھی ہنگامی حالت کا مقابلہ کیا جا سکے۔ ان ناگفتہ بہ حالات سے نبٹنے کے لیے جدید اسلحہ سے لیس ہو کر جنگی مشقوں کا باقاعدہ آغاز کر دینا چاہیے تاکہ دشمن پر رعب بھی رہے اور دفاع کی بھرپور تیاری بھی۔